بسم اللہ الرحمن الرحیم

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ○ توبہ ۱۱۹

(اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو)

صحبت کی کرامت

ڈاکٹر محمد بشیر احمد

(نبیرہ مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی علیہ الرحمہ)

ادارہ مسعودیہ ۲/۶، ۵۔ای، ناظم آباد کراچی (سندھ)

اسلامی جمہوریہ پاکستان

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

عنوان .... صحبت کی کرامت

تحریر............... حکیم ڈاکٹر محمد بشیر احمد نقشبندی

حروف ساز............ ملہی گرافکس، موبائل ۰۳۲۰۔۲۰۳۰۷۰۳

تصحیح .... اقبال احمد اختر القادری

سیدہ صبا مسعودی

تعداد .... ایک ہزار

اشاعت .... اول

طباعت ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء

طابع............... حاجی محمد الیاس مسعودی

مطبع............... برکت پریس، کراچی

ناشر............... ادارۂ مسعودیہ، کراچی

ہدیہ ....

ملنے کے پتے

۱۔ ادارۂ مسعودیہ، ۲/۶، ۵۔ای، ناظم آباد، کراچی۔ ۶۶۱۴۷۴۷

۲۔ ضیاء الاسلام پبلی کیشنز، شوگن مینشن، محمد علی جناح روڈ آف محمد بن قاسم روڈ، اردو بازار، عیدگاہ، کراچی

۳۔ نصرت الاسلام ایجوکیشنل سوسائٹی، مسجد فتح پوری، دہلی (بھارت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ۱۱۹ توبہ

(اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو)

صحبت کی کرامت

ڈاکٹر محمد بشیر احمد

(نبیرہ مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی علیہ الرحمہ)

ادارہ مسعودیہ، کراچی

۲/۴، ۵۔ای، ناظم آباد، کراچی۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان

۱۴۲۶ھ / ۲۰۰۵ء

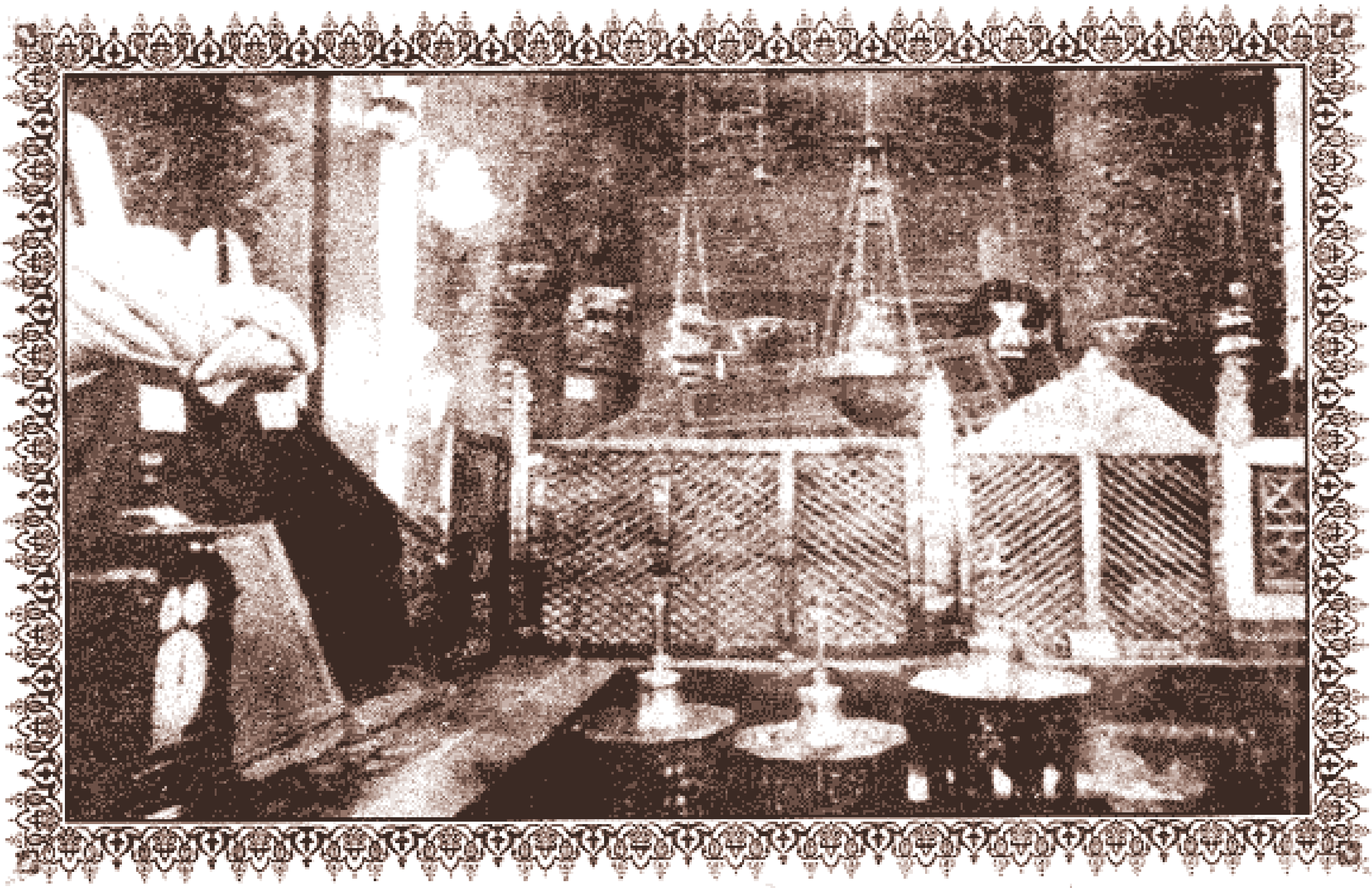

آرام گاہ مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ قونیہ

(۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

مولانا جلال الدین رومی

☆

(۵)

انتساب

☆

جدِ کریم

مفتیٔ اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کے نام

جو

ظاہری اور باطنی صفات جمیلہ کے حسین مرقع تھے

جن کی صحبت میں

ہزاروں بن گئے، جن کے حالات سن کر ہزاروں بن رہے ہیں

حقیر

محمد بشیر احمد

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

کسی دانا کا قول ہے، تم مجھے اپنے دوستوں کے بارے میں بتاؤ میں تمہیں بتاؤں گا تم کون ہو۔حق تعالیٰ شانہ نے ہر جاندار میں یہ صفت رکھی ہے کہ وہ جس قسم کی نشست و برخاست کا خوگر ہوگا، اس کے عادات و اطوار بھی اسی صحبت کے مطابق ہوجائیں گے۔حتٰی کہ بچّہ کو ورثہ میں اپنے والدین کے عادات واطوار ملتے ہیں۔یہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ اگر کوئی شاعر وادیب کی صحبت میں رہتا ہے، تو اسے علمی بحث وتکرار سے تسکین ملتی ہے۔اس لئے کہ روح کی غذا علم ہے۔اگر کوئی مصنفین کی مجلس سے وابستہ ہوتا ہے، تو اس کا میلان بھی تصنیف وتالیف کی طرف ہوجاتا ہے اور اگر کوئی صوفیہ کے ہمراہ رہے گا تو اس کا رجحان بھی صوفیانہ طرز کا ہوجائے گا۔

بہائم کی صحبت میں رہنے سے آدمی بہائم کی صفت پر ہوجاتا ہے اور بہائم بھی اس کی صفات اپنالیں گے۔اہلِ غفلت کی صحبت کے باعث دل تاریک ہوجاتا ہے، کیونکہ صحبت دل پر اثرانداز ہوتی ہے۔زیرِ مطالعہ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ قول نظر سے گزرا ہے کہ جب کوئی غافل میری صحبت میں بیٹھتا ہے تو میرے جسم کا وہ حصّہ جو اس کی جانب ہوتا ہے، بھاری ہوجاتا ہے۔علیٰ ہذا القیاس۔

صحبت کے اثرانداز ہونے کا طریقہ بھی ایسا ہی ہے جس طرح کہ کسی کام کے کرنے کی عادت آدمی کو پڑ جاتی ہے۔جیسے کہ آدمی جو کچھ دیکھتا ہے، سنتا

ہے،لکھتا ہے، پڑھتا ہے، وہ اس کے دل پر نقش ہو جاتا ہے اور جب عمل مکرر کیا جاتا ہے تو وہ دل میں سرائیت کر جاتا ہے اور آدمی جو کچھ دیکھتا ہے،سنتا ہے،لکھتا ہے، پڑھتا ہے،وہ اس کے دل پر نقش ہوجاتا ہے اور آدمی کو وہ کام کرنا آجاتا ہے۔عمل خواہ نیک ہو یا بد،اس کا اثر دل پر ضرور ہوتا ہے۔جیسا کہ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں

''جاننا چاہیے کہ اگر چہ اعمال ظاہری اعضاء کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں،لیکن ان سے مراد گردشِ دلی ہے، کیونکہ دل ہی اس عالم کی جانب سفر کرے گا۔اس لیے دل کو نہایت صاحبِ جلال وکمال ہونا چاہیے،تا کہ وہ حضرتِ الٰہی کے قابل ہو سکے۔''

آگے چل کر فرماتے ہیں

''اگر چہ تن دل سے علیحدہ ہے لیکن دل اس کے ساتھ متعلق ہے اور جو نیک معاملہ تن سے ہوتا ہے اس کا نور دل میں پیدا ہوتا ہے اور بدن سے جو برا فعل صادر ہوتا ہے،اس کی ظلمت دل کو پہنچتی ہے۔ اوّل الذکر نورِ تخمِ سعادت بنتا ہے اور آخر الذکر تخمِ شقاوت۔''
(کتاب کیمیاء سعادت ص۔۳۳۶)

دل سے متعلق بحث میں فرماتے ہیں

''تو جان کہ تجھے دو چیزوں سے پیدا کیا گیا ہے۔ایک ظاہری جسم جسے تن کہتے ہیں اور جو چیزیں ہم ان ظاہری آنکھوں سے دیکھتے ہیں ،وہ اسی عالم سے متعلق ہیں جسے ہم عالمِ شہادت کہتے ہیں۔دوسرے باطنی معنی میں جن کو نفس،دل اور جان کہتے ہیں انہیں باطن کی

آنکھیں دیکھ سکتی ہیں ظاہر کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔تیسری حقیقت یہی معنیٰ باطن ہیں اور جو اس کے سوا ہے ،اس کا تابع ،خدمتگار اور لشکر ہے۔اسی حقیقت کا نام ہم نے دل رکھا ہے۔ جب ہم دل کی نسبت بیان کریں گے تو جان لینا کہ اس سے حقیقت آدمی مراد ہوگی۔کبھی اس کو روح اور نفس بھی کہتے ہیں۔اس دل سے مراد گوشت کا وہ ٹکڑا نہیں جو سینے کے بائیں جانب ہے۔اس کی کوئی قدر نہیں۔یہ جانوروں اور مُردوں کے بھی ہوتا ہے۔اس سے حقیقت انسان مراد ہے،اسے ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا اور اس دل کی حقیقت اس عالم (فانی) سے نہیں ہے۔وہ صرف اس جہان میں بطور مسافر آیا ہے اور وہ ظاہر گوشت کا ٹکڑا اس کے لیے سواری اور ہتھیار ہے،تمام اعضاء اس کا لشکر ہیں اور تمام جسم کا بادشاہ ہے۔خدا تعالیٰ کی معرفت اس کے جمال کا مشاہدہ ،اس کی صفت ہے۔اس کے لیے تکلیف عبادت ہے،اسی سے خطاب ہے اور ثواب وعذاب بھی اسی کے لیے ہے۔اصلی سعادت وشقاوت بھی اسی کے لیے ہے اور تن ان تمام باتوں میں اسی کا محکوم ہے اور فرشتوں کے گوہر کی جنس سے ہے......حقیقت دل کہ وہ کیا چیز ہے اور اس کی خاص صفت کیا ہے۔شریعت نے اجازت نہیں دی اور اسی واسطے جناب رسول اللہ ﷺ نے شرح نہیں کی۔'' (کتاب کیمیاء سعادت ص۱۰،۹)

بس مذکورہ بالا سطور سے ہم نے جان لیا کہ ہمارے حواس سے جو عمل بھی سرزد ہو گا، اس کا اثر دل پر پڑے گا۔ اس لئے کہ یہ دل ہی سے متعلق ہیں اور دل کے واسطے بمنزلہ راہ کے ہیں۔ اب ہم دل کو اگر ایک زمین فرض کر لیں اور زمین بھی ایسی جو زرخیز ہو، تو اس میں جس قسم کے عمل کا تخم بوئیں گے، اسی کے مطابق ہی درخت پیدا ہوگا۔ اگر نیم کے درخت کا بیج بوئیں گے تو نیم ہی اُگے گا اور آم کی گٹھلی بونے پر آم کا درخت نمودار ہوگا۔ وغیرہم۔ بس جب نیم کے درخت اُگنے دیئے تو نیم کے اشجار پائے، آم کی فصل بوئی تو آم پائے۔ اسی طرح اگر آدمی اس زمین میں کوئی خلق تلخ (بدخوئی) کا تخم بوئے گا، تو اس سے تلخ پھل والا ہی درخت پیدا ہوگا اور اگر کوئی خلق نیک کا تخم بوئے گا، تو پھر اس سے ایسا درخت نمودار ہوگا، جس کے پھل میٹھے اور پھول خوشبودار ہوں گے۔ پس ایسے افراد جن کے باطن میں قسم ہا قسم کے لذیذ پھلوں اور خوشبودار پھولوں کے باغات ہیں، وہ خوش نصیب ہیں اور ایسے لوگ جن کے باطن میں خاردار جھاڑیاں اور تلخ پھلوں کے درخت، بے بو کے پھولوں کے پودوں کے تاریک اور بھیانک جنگلات ہوں گے، وہ بدنصیب ہوں گے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ علم اور نیک اخلاق اس جہانِ فانی میں بھی نعمت ہے اور بدخوئی و نادانی دونوں جہانوں میں باعث نقصان ہے۔ درحقیقت بلا بھی یہی ہے۔ وہ لوگ بھی خوش نصیب ہیں جن کو صالح افراد کی صحبت میسّر ہوتی ہے۔ جیسا کہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

> ''اس نے کہا میں ناچیز مٹی تھی، لیکن ایک زمانہ تک پھول کے ساتھ رہی، ہم نشیں کے حسن نے مجھ میں اثر کیا۔ ورنہ میں تو وہی خاک ہوں جو تھی۔'' (کتاب مقامات خیر)

اور بد نصیب ہیں وہ لوگ جن کو برے لوگوں کی صحبت میسّر ہوئی۔حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

''دو خلق ایسے ہیں جنہیں حق تعالیٰ نہایت عزیز رکھتا ہے۔ایک سخاوت،دوسری نیک عادت۔اور فرمایا،دو خلق ایسے ہیں جنہیں حق تعالیٰ دشمن سمجھتا ہے۔ایک بخل اور دوسری بدخوئی۔فرمایا،حق تعالیٰ نے کوئی ولی پیدا نہیں کیا مگر سخی اور نیک خو۔''

جس طرح جسمانی امراض ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہوجاتے ہیں ،اسی طرح باطنی امراض بھی ایک باطن سے دوسرے باطن میں سرائیت کر جاتے ہیں اور کسی کو معلوم نہیں ہوتا اور وہ مریض ہوجاتا ہے۔جیسا کہ حدیث شریف کا مفہوم ہے،،جس دوست کی صحبت اختیار کروگے اس کی صفت پر ہوجاؤ گے۔

یہاں قابل غور امر یہ ہے کہ دوستی کے معنی محبت اور چاہت کے آتے ہیں۔آدمی کے دل کو جو چیز بھاتی ہے اسے وہ اپنا لیتا ہے اور جو اسے بری لگتی ہے اس کو رد کردیتا ہے۔یہ فطری بات ہے۔بہائم بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔اب اگر آدمی کسی جانور سے دوستی کرے اور اسکی صحبت اختیار کرے تو اس شخص میں اس جانور کی صفات منتقل ہوں گی۔بعدہٗ اس شخص کے اخلاق بھی اسکے مطابق ہوجائیں گے۔خواہ وہ فرد ابنِ آدم ہو (یا بنت حوّا) بہائم کے اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔اگر وہ آدمی صالح اور طہارت کا خوگر ہے،تو اس کے پالتو جانور میں اس کی صفات منتقل ہوں گی۔جیسا کہ یہ بات ہر کس وناکس کے مشاہدہ میں آتی ہے کہ بکرا،کتّا،گھوڑا،اگر کوئی ایسا شخص پالتا ہے جو خود طہارت کا خوگر ہے،تو اس کے پالتو جانور بھی طہارت کے خوگر ہوجاتے ہیں۔صاف ستھری جگہ پر بیٹھتے ہیں۔حتیٰ کہ وہ جگہ جو ان کی حاجات کے واسطے مقرر کی

جاتی ہے، وہ اسی جگہ پر فارغ ہوتے ہیں۔جیسے کہ تربیت یافتہ آدمی کا معمول ہوتا ہے۔مگر اس صاف ستھرے مالک میں اس پالتو جانور کی صفات سرائیت کر جاتی ہیں اور اسے معلوم بھی نہیں ہوتا۔جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ جب کام دل میں سرائیت کر جاتا ہے، تو وہ کام آدمی کو انجام دینا آجاتا ہے۔اسی طرح وہ صفات جو جانور سے آدمی میں سرائیت ہوتی ہیں، ان کے مطابق آدمی میں اخلاق پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ جیسا کہ کھانا پینا، نکاح کرنا اور عیش و آرام کی اور لہوولعب کی زندگی گزارنا، ذمہ داریوں سے غافل رہنا۔اسی طرح کی زندگی بہائم بھی گزارتے ہیں۔جانور کے اخلاق واطوار کا مطالعہ کرنا چاہیں تو شہر کے چڑیا گھر میں جا کر کرلیں۔

اسی طرح یہ بات بھی ہمارے مشاہدہ میں آتی ہے کہ جب کوئی ایسا شخص جانور پالتا ہے جو طہارت کے علم سے نابلد ہوتا ہے، تو ایسے شخص کے پالتو جانور طہارت کے خوگر نہیں ہوتے۔وہ جانور بھی اپنے جانور صفت مالک کے طور طریقے پر ہی رہتے ہیں۔جیسے کہ شہر دہلی اور دہلی کے مضافات میں دیکھا گیا ہے کہ جانوروں کے جانور صفات مالکان بیٹھے ہوئے ہیں۔تاش پتّے اور طرح طرح کے کھیلوں میں مشغول ہیں۔ان کے اطراف میں گندگی پھیلی ہوئی ہے، بدبو آرہی ہے، مگر وہ اس بدبودار فضا سے بے حس ہو چکے ہیں اور اپنے اپنے کھیلوں میں مگن ہیں اور ان کی طرح ان کے پالتو جانور گندے ماحول میں زندگی گزار رہے ہیں۔کھا پی رہے ہیں، آپس میں لڑ رہے ہیں اور انہی کی طرح ان کے مالکان بھی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ہم کو تمام دودھ دوھنے والوں کے اخلاق کم وبیش یکساں ملیں گے، خواہ وہ مشرق کا رہنے والا ہو یا مغرب کا۔یہاں از راہِ مثال راقم الحروف اپنے دوست کے والد صاحب کے شوق کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہے۔

''مرحوم نہایت خوش خلیق انسان تھے۔خلقِ خدا کی خدمت کرنے میں پیش پیش رہتے تھے۔ان کے مدرسے کی راہ میں کوئی مجذوب فقیر رہتا تھا۔ان کی والدہ جو کچھ ان کو کھانے کے لئے دیتی تھیں، وہ کھانا اس فقیر کو دے دیا کرتے اور خود بھوکے رہتے تھے۔ان کو جانور پالنے کا بہت شوق تھا۔کوئی جانور ایسا نہیں جو انہوں نے نہ پالا ہو۔بقول ان کے (دوست) کتا، بلّی ایک ہی برتن میں گوشت کھاتے تھے، ایک ہی برتن میں ساتھ ساتھ پانی پیتے تھے۔مرغ، کتا، بلّی اور دوسرے پرند ایک آنگن میں بے قید کے کھلے رہتے اور کوئی جانور بھی ایک دوسرے سے خوفزدہ نہ ہوتا تھا۔یہ صفات آدمی کی ہیں، جو ان میں منتقل ہوگئی تھیں۔مزید برآں ان کے ہاں ایک قیمتی کتا پلا ہوا تھا، وہ چوری ہوگیا۔اس کی اطلاع پولیس کو دے دی گئی۔غرض ڈیڑھ دو مہینوں کے بعد وہ کتا کسی چور کے پاس سے برآمد کرلیا گیا اس چور نے کتّے کو چوری کی عادت ڈال دی تھی۔جب تک وہ ان کے پاس رہا، آئے دن کسی نہ کسی کی کوئی چیز بھی چرا کر گھر میں لے آتا تھا۔پھر انہوں نے خیال کیا کہ لوگ کہیں گے کتّے کو چوری کرنے کی عادت ڈال رکھی ہے، تاکہ لوگوں کا مال چرا کر گھر میں لائے۔تو وہ کتا پھر کسی کو دے دیا۔''

قابلِ غور بات اس مثال میں یہ ہے کہ کتّا بھی اس مالک کا وفادار ہوگا جو خود بھی صفت وفا سے متصف ہوگا۔اگر مالک بے وفا ہوگا تو کتا بھی بے وفا ہوگا۔جیسے کہ درج ذیل مثال سے کتّے کی صفت معلوم ہوگی۔ایک خبر روزنامہ قومی آواز میں بتاریخ

۱۲/ستمبر ۱۹۹۹ء کو شائع ہوئی تھی۔ یہ ایک عبرتناک خبر ہے، ان لوگوں کے واسطے، جو جانوروں کے پالنے کا شوق رکھتے ہیں۔ پاکستانی اخبار ''جنگ'' کے حوالہ سے یہ خبر درج ذیل ہے۔

''گوجرانوالہ پاکستان میں دو پڑوسی رہتے تھے۔ ایک کے گھر کتّا پلا ہوا تھا جبکہ دوسرے کے گھر مرغیاں پلی ہوئی تھیں۔ کتّے نے دوسرے پڑوسی کی مرغیوں کو کھالیا۔ یہ شکایت لے کر مرغیوں کی مالکہ کتّے کے مالک کے پاس گئی۔ بس پھر کیا تھا کہ کتّے کے مالک اور اس کے لڑکے نے اس پر چاقو، چھریوں سے وار کر دیا اور مرغیوں کی مالکہ کو ہلاک کر دیا اور اسی پر بس نہیں کیا، مقتولہ کے گھر والوں میں سے دو ایک کو اور ہلاک کر دیا اور پولیس کے ڈر سے یہ باپ بیٹے مفرور ہیں۔''

مذکورہ مثال میں قابلِ فکر و نظر امر یہ ہے کہ آدمی حیوان ناطق ہے اور کتا بھی حیوان ہے۔ جب یہ دونوں حیوان ایک دوسرے کی صحبت میں رہے، تو ان کی صفات ایک دوسرے میں سرائیت پذیر ہوتی رہیں اور اس بات سے خصوصاً آدمی جو عقل رکھتا ہے، غافل رہا، جبکہ کتّے کو تو عقل ہی نہ تھی کہ خیر و شر میں آدمی کی طرح تمیز کر سکے۔ مذکورہ باپ بیٹے کو کتا صفت نہیں کہا جائے گا، تو کیا کہا جائے گا! یہ کتّے ہی کی صفت تو ہے کہ جب وہ اپنے علاقہ میں کسی نئے آمدہ کتّے کو پاتا ہے تو اس کو مارنے کاٹنے کے لئے دوڑتا ہے، اس پر اس قدر غصّہ سے بھونکتا ہے کہ فضا میں ایک خوف سا طاری ہو جاتا ہے اور جب تک وہ کتّا اس علاقائی کتّے کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہو جاتا، بھونکتا ہی رہتا ہے اور نیا کتّا اپنی گردن جھکائے اور دم دبائے ادھر سے اُدھر بھاگتا ہی جاتا ہے۔

حیوان ناطقہ یعنی انسان میں ہر جانور کی صفت پائی جاتی ہے۔ یہ صفت بہ وقت ظہور پذیر ہوتی ہے۔ جیسے کسی کو کہہ دیتے ہیں وہ شیر ہے، کسی کو کہہ دیتے ہیں وہ چوہا ہے، کسی کو سانپ سے تعبیر دیتے ہیں۔علیٰ ہذالقیاس۔ یہاں تک کہ سیّدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ، نے فرمایا کہ

''خیبر کے دن میری ماں نے میرا نام حیدرر رکھا۔ حیدر وہ شیر ہوتا ہے کہ جو چلنے میں تندہی اور شجاعت کی وجہ سے راہوں کو نظر میں نہیں لاتا اور وہ شیر تمام چلنے والوں پر غلبہ حاصل کرتا ہے۔ میں اس شیر کے حق کو بڑے پیمانے پر پورا کرتا ہوں ۔اس لئے میری ماں نے اپنے والد کے نام پر اسد رکھا۔اس وقت میرے والد ابوطالب موجود نہیں تھے۔ جب وہ آئے تو انہوں نے اس نام کو ناپسند کیا اور انہوں نے میرا نام علی حیدر رکھا، جو شیروں کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔(کتاب سیرت الاولیاء۔ص۸)

شاید کوئی شخص یہ کہے کہ جانور حلال کو پالنا سنّت ہے۔اسے جاننا چاہیے کہ یہ بھی تو حدیث شریف کا مفہوم ہے''جس دوست کی صحبت میں بیٹھو گے اس کی صفت پر ہو جاؤ گے۔''اب دوستی خواہ جانور سے کرو یا جانور صفت آدمی سے، عالم بے عمل سے دوستی کرو ،یا عالم عادل، یا عالم باعمل سے کرو، یا عالم ریاکار سے دوستی کرو، وغیرہم۔اس کی صحبت کا ملمع ضرور بالضرور تمہارے باطن میں چڑھے گا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ جو مہلکات میں سے کسی مہلک خُلق ، جیسے خود پسندی، بخل، غفلت، ضلالت، ریا، عیب جوئی وغیرہ کے مریض ہوتے ہیں، ان کی صحبت میں بیٹھنے والے کو بھی وہی مرض لگ جاتا ہے اور صحبت پذیر اس مرض سے بے خبر ہوتا ہے، تاوقتیکہ وہ مرض شدت سے ظہور پذیر نہ ہو۔

اسی طرح سے وہ شخص جو منجیات کے خوگر افراد کے ساتھ صحبت رکھتا ہے، ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ پاتا۔ اس لئے کہ جب عقیدہ راسخ ہو جاتا ہے تو اعضاء سے ضرور صادر ہوتا ہے۔

ہم سے پہلے کے لوگ اولاد کی پرورش اور تعلیم وتربیت پر (بشمول لڑکے اور لڑکیاں) خاص توجہ دیا کرتے تھے، جس طرح آج یورپ کے لوگ طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اگر ہم مشہور علماء، حکماء اور اطباء کی ابتدائی زندگی کا مطالعہ کریں، تو جگہ جگہ یہی نظر سے گزرے گا کہ انہوں نے اپنے بچپن میں اپنے والد، چچا، ماموں یا کسی استاد سے منطق وفلسفہ، اخلاقیات، ادب، علم النفس، علم ریاضی، تصوّف وغیرہ کے علوم سیکھے۔ پھر مزید علوم کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہاں بچّوں (بشمول لڑکے اور لڑکیوں) کی تربیت سے متعلق ایک عبارت نقل کرتا ہوں۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''جاننا چاہیے کہ فرزند، ماں باپ کے ہاتھ میں ایک امانت ہے اور اس کا دل گوہرِ نفیس کی طرح پاک، تمام نقوش سے خالی، موم کی طرح نقش پذیر ہے اور پاک وخالص زمین کی طرح ہے، جس میں جو تخم چاہو پیدا ہوسکتا ہے۔ اگر سعادت کا بیج بوؤ گے، تو دین ودنیا میں سعادت پر سرفراز ہوگا۔ ماں باپ اور استاد اس کے ثواب میں شریک ہونگے اور اس کے خلاف ہوگا تو بد بخت ہوگا۔ پھر جو کچھ بھی اس پر گزرے گا وہ اس میں شریک ہونگے۔ کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''اپنے نفوس کو اور اہل وعیال کو نار سے بچاؤ'' اور بہ نسبت دنیا کی آگ کے فرزند کو نارِ دوزخ سے بچانا ضروری ہے اور

یہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ اس کو مؤدب بنائیں، نیک اخلاق سے آراستہ کریں اور بری صحبت سے بچائیں۔ کیونکہ تمام برائیوں کی جڑ صحبتِ بد ہے۔ (کتاب کیمیاء سعادت)

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ فرزند کو یا اولاد کو ہر اچھے برے شخص سے محذور رکھا جائے۔ بس یہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے کہ اسکے کردار پر نظر رکھی جائے۔ اس کے لیے یہ کرنا ہوگا کہ اخلاق حسنہ اور اخلاقِ رذیلہ کے علوم سے مفصّل واقف ہوں۔ اس لیے کہ اگر بچّہ پر پابندیاں عائد کی جاتی ہیں تو اس کا ذہن کند ہو جاتا ہے اور عقل اس کی زوال پذیر ہو جاتی ہے اور بچّہ غبی الذہن ہو جاتا ہے۔ پھر بچّہ زیادہ دباؤ کے باعث مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے اسکے برخلاف بچّہ کے عیوب کو نظر انداز کر دیں تو وہ پھر بیباک اور سرکش ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ نفس فی نفسہ سرکش ہوتا ہے۔ اسے مناسب تعلیم و تربیّت سے مؤدب بنایا جاتا ہے۔ اس کی تعلیم و تربیّت پر اعتدال کی راہ اختیار کریں۔ نرمی اور حکمت سے کام لیں تا کہ اس کی عقل پروان چڑھے، کیونکہ یہ عقل ہے جو آدمی کو خیر وشر کی تمیز کراتی ہے اور یہ جب بھی آتی ہے تو بہ کرتی ہوئی آتی ہے۔ بچّوں سے جو کام لیں اس میں نرمی و حکمت سے کام لیں، تا کہ غصہ نہ آئے۔ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

''جسے حق تعالیٰ نے نرمی کی صفت سے بہرہ ور کیا ہے وہ دین میں کامیاب ہوا، اور جس کو نرمی کی صفت سے محروم رکھا، وہ دین و دنیا کی نیکیوں سے محروم رہا۔'' اور فرمایا۔ ''حق تعالیٰ رفیق ہے اور رفیق آدمی کو دوست رکھتا ہے اور جو کچھ رفق یعنی نرمی سے عنایت کرتا ہے، وہ سختی کرنے سے عنایت نہیں کرتا۔'' اور فرمایا حضور ﷺ نے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ ہر کام میں نرمی کا خیال رکھا کرو، کیونکہ جس کام میں نرمی ہوتی ہے وہ ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے اور جس کام میں نرمی نہ ہو وہ بگڑ جاتا ہے اور خراب ہو جاتا ہے۔''

(کتاب کیمیاءِ سعادت)

بچّہ کی تربیت سے متعلق یہ حکمتِ عملی اختیار کرلیں تو بہتر ہے کہ اس کو اچھے اور کامیاب بچوں کے فرضی قصّے سنائیں اور جو برائی وہ اپنا رہا ہے، اس کا انجام اس کو بتائیں تو بچہ خود بد سے خوفزدہ ہوکر خود ہی اس کے برخلاف خلقِ حسنہ کو اختیار کرلے گا اور عادتِ بد کو ترک کردے گا۔ فرزند یا دخترِ نیک کی تعلیم و تربیت کے لئے یہ حکمتِ عملی اختیار کرنا بہترین ہے کہ اس کو ذہین اور طباع طلباء علم کے ہمراہ رہنے کا موقع فراہم کیا جائے، جو خواہ اہل محلّہ کے ہوں یا عزیز و اقارب میں سے ہوں۔ جیسے کہ سیر الاولیاء کے مصنف حضرت امیر خورد کے والد صاحب نے ان کی تعلیم و تربیت کے لیے یہ حکمت اختیار کی۔ بقول مصنف کے۔

''میرے والد نے سلطان المشائخ کے گھر کے قریب ایک مکان کرائے پر لے کر مدرسہ قائم کیا تھا، جس میں ذہین اور طباع طالب علموں کو جمع کیا تھا، تاکہ کاتب حروف بھی ان طالب علموں کے ساتھ کچھ پڑھ جائے۔ وہ خود بھی اس مدرسہ میں درس دیا کرتے تھے۔''

(کتاب سیرت الاولیاء)

یہ طریقہ آج کل انگریزی طرز کے اسکولوں میں رائج ہے کہ لڑکے یا لڑکی کو اسکول میں داخلہ دینے سے پہلے اسکول انتظامیہ بچّوں اور ان کے والدین کا امتحان لیتے ہیں، پھر کہیں ان کے بچّوں کو داخلہ دیتے ہیں۔ نااہل اور لالچی افراد اس طریقے کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔

جب ابتداء میں بچّہ کی پرورش اس اصول پر ہوگی کہ اسے وقتاً فوقتاً نیک تعلیمات نرمی سے دی جائیں گی، تو یہ اموراس کے دل پر پتھر کی لکیر بن جائیں گے اور اگر ابتداء ہی میں اسے اس کی اپنی حالت پر چھوڑ دیا تو یہ تمام باتیں اس طرح پر ہوں گی جیسے دیوار سے خاک جھڑتی ہے۔ حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''میری عمر تین برس کی تھی، جب میں اپنے ماموں محمد بن سواد کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتا تھا۔ ایک دفعہ انہوں نے مجھ سے کہا، بیٹا! جس خدا نے تجھے پیدا کیا ہے تو کیوں اسے یاد نہیں کرتا۔ میں نے کہا ماموں جان میں اسے کیونکر یاد کروں انہوں نے کہا، بیٹا جب رات کو تو بچھونے پر سویا کرے تو تین بار زبان سے نہیں بلکہ دل سے کہہ لیا کرو کہ میرا خدا میرے ساتھ ہے، میری جانب دیکھتا ہے اور مجھے دیکھتا ہے۔ میں نے کئی شب ایسا ہی کیا۔ پھر انہوں نے فرمایا۔ ہر شب سات بار کہا کرو، پھر گیارہ مرتبہ کہنے کا حکم دیا۔ میں کہا کرتا تھا حتیٰ کہ میرے دل میں ایک حلاوت پیدا ہوگئی۔ جب ایک سال کا عرصہ ہونے کو آیا تو انہوں نے فرمایا، میں نے جو کچھ تمہیں بتایا ہے اسے تمام عمر یاد رکھنا۔ حتیٰ کہ تمہیں قبر میں اتاریں، کیونکہ یہ شغل دونوں جہانوں میں تیری دستگیری کرے گا۔ میں کئی برس تک ایسا ہی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی حلاوت میرے دماغ میں پیدا ہوگئی۔ پھر ایک دن ماموں نے مجھ سے کہا۔ خدا جس شخص کے ساتھ رہتا ہو اور جس کی جانب نگراں ہو اور جس کو دیکھتا ہو، وہ شخص خدا کا گناہ نہیں کرتا۔ خبردار! گناہ ہرگز نہ کرنا، کیونکہ وہ تمہیں دیکھتا ہے۔ پھر مجھے

معلّم کے پاس بھیجا۔ میرا دل گھبرانے لگا۔ میں نے کہا، مجھے گھڑی بھر کے لئے روزانہ بھیج دیا کرو، زیادہ نہیں۔ حتیٰ کہ میں نے سات برس کی عمر میں قرآن پڑھ لیا۔ جب میں دس برس کا ہوا، تو متواتر روزے رکھنے لگا اور جو کی روٹی کھایا کرتا۔ یہاں تک کہ میں بارہ برس کا ہوگیا۔ تیرہویں برس میرے دل میں ایک مسئلہ پیدا ہوا۔ میں نے اجازت مانگی کہ مجھے بصرہ بھیج دو، تاکہ وہاں جا کر دریافت کروں۔ غرض وہاں گیا۔ تمام عالموں کے پاس پھرا، کسی نے اسے حل نہ کیا۔ پھر لوگوں نے مجھے ایک عابد کا پتہ بتایا۔ میں وہاں گیا۔ انہوں نے اس مسئلہ کو حل کر دیا۔ پھر میں ایک مدّت تک ان کی خدمت میں رہا اور تستر واپس چلا آیا۔ میں ایک دام کے جَو مول لیا کرتا اور اس کی سُوکھی روٹی سے افطار کرتا۔ یہاں تک کہ میں اس پر قادر ہوگیا۔ پھر میں نے اسے پانچ دن پہنچا دیا، پھر سات دن تک، پھر پچیس دن تک کچھ کھایا نہیں کرتا تھا اور میں نے بیس برس اسی حالت میں بسر کئے۔ میں صابر رہا اور راتوں کو جاگا کرتا۔'' یہ حکایت اس لئے نقل کی گئی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ بڑے کام کا تخم اوائل عمر ہی میں ڈالنا چاہیے۔'' (کتاب کیمیاءِ سعادت)

اب یہاں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اگر ہم اپنی اولاد کو ان کی اوائل عمر میں بہائم کی صحبت میں چھوڑ دیں اور پھر ان سے یہ توقع رکھیں کہ وہ قوم اور ملّت کو مثبت و متوازن ترقی دیں گے اور ملک کا نام روشن کریں گے، تو یہ ہماری حماقت ہوگی۔ اس لئے کہ بچّہ جانوروں کو جب دوست بنا لیتا ہے تو ان کی طرح کی حرکتوں سے لذّت

اندوز ہوتا ہے۔اس کو ان کے ساتھ رہنے اور کھیلنے میں اس قدر مزہ آتا ہے کہ وہ اپنا کھانا پینا اور سونا ترک کرنے پر صابر رہتا ہے۔چونکہ نفس فی نفسہ لذّت طلب ہے۔اب اسے اگر ہم اسکول بھیجیں تو وہ اسکول سے بھاگتا ہے۔کیونکہ اس کا نفس اپنی عادت کے برخلاف شئے کو قبول نہیں کرتا۔اس کو اسکول جانا، وہاں پڑھنا اور رہنا گراں گزرتا ہے۔چونکہ نفس فی نفسہ آرام طلب بھی ہے۔بچّہ کو زبردستی اسکول بھیجا جائے تو بچّہ خیال کرتا ہے کہ اس کے دوست جانور کتنے مزے میں ہیں اور کس قدر آرام سے رہتے ہیں کہ ان کو نہ تو مدرسہ جانے کو کہا جاتا ہے اور نہ ہی مدرسہ نہ جانے پر مارا پیٹا جاتا ہے۔اس قسم کی فکر بچّہ کی نیّت کو متاثّر کرتی ہے۔تمام اعمال خواہ اچھے ہوں یا برے ہوں ان کا انحصار نیّت پر ہی ہوتا ہے۔اس لئے کہ نیّت عمل کے لئے ہوتی ہے،خواہش کی تکمیل نیّت کے تابع ہوتی ہے اور نیّت عقل کے ماتحت ہوتی ہے۔جب خواہش بہائم کی مانند آرام طلبی اور لذّت پرستی کی دل پر غالب ہو جائے ،تو پھر کردار بھی اس کے مطابق ہی نمودار ہوگا۔اس لئے کہ نیّت تو خود نفس دل کے اندر ہوتی ہے اور عمل دل میں حواسِ خمسہ ظاہرہ اور باطنہ کی راہ سے سرائیت کرتا ہے۔جب عمل دل میں سرائیت کر جاتا ہے تو کام کرنا آجاتا ہے اور اگر سرائیت نہیں کرتا یا غفلت کے ساتھ سرزد ہوتا ہے،تو بالکل رائیگاں اور ضائع ہو جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ نفس پرست دل کو بہائم سے تشبیہ دی جاتی ہے۔جیسے کسی کو چوہا،کسی کو شیر اور کینہ پرور کو سانپ کہہ دیتے ہیں وغیرہ۔جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

”آدمی کی ساخت عقل اور شہوت سے ہے۔جب آدمی شہوت کا خوگر ہوتا ہے تو اس کا شمار بہائم میں ہوتا ہے اور جب شہوت کے برخلاف کرتا ہے تو عقل فروغ پاتی ہے اور آدمی کا شمار فرشتوں میں ہوتا ہے۔(کتاب سرالعالمین وما کشف فی الدارین)

دوسرے یہ کہ تکلیف کے ساتھ نیک کام کرنے کی کوشش کرے اور عادت ڈالے، تاکہ اسے نیک کام کرنے کی عادت ہو جائے۔

تیسرے یہ کہ اگر کچھ لوگوں کو نیک کام کرتے ہوئے دیکھے اور ان سے صحبت رکھے، تو خود بخود طبیعت ان کے صفات کو اختیار کرے گی۔ اگر چہ وہ اس سے بے خبر ہی کیوں نہ رہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جب ریاضت میں مجھ سے کچھ سستی واقع ہو جاتی ہے تو میں حضرت محمد واسع رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ لیتا ہوں۔ ان کے ایک دفعہ دیکھنے سے ہفتہ بھر کے لئے عبادت کی رغبت باقی رہتی ہے۔ پس جس کو یہ تین سعادتیں نصیب ہوں، وہ شخص سعید ہے اور جو شخص ان تینوں باتوں سے محروم ہو، یعنی اصل فطرت میں بھی ناقص ہو، شریر لوگوں کی صحبت میں رہے اور بُرے افعال کا عادی ہو، تو وہ شخص شقی ہوتا ہے۔ سعادت اور شقاوت کے بھی بہت سے مدارج ہیں، جو بعض لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں اور بعض لوگوں کو حاصل نہیں ہوتے۔ ہر شخص کی سعادت اور شقاوت انہی مدارج کی مقدار پر ہوتی ہے۔ (کتاب کیمیاء سعادت)

وہ لوگ جو خیر و شر میں تمیز نہ رکھتے ہوں، وہ اس بات کو پہچان لیں کہ ان کے نفوس بیمار ہیں۔ ایسے مریضوں کو اپنے علاج کی طرف مشغول ہونا چاہیے۔ عام طور پر آدمی ہو (یا پردہ نشیں ہو) اپنے امراض یعنی عیوب کو دیکھنے میں اندھا ہوتا ہے۔ وہ اپنے عیوب کو چار طرح سے پہچان سکتا ہے۔ یہ طریقے بھی مذکورہ کتاب کے حوالہ سے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی مرشدِ کامل کی صحبت میں جا بیٹھے، تاکہ وہ اس کی طرف متوجہ ہو اور اس کے عیوب اس کو بتائے۔ یہ مرشدِ کامل روحانی طبیب ہوتے ہیں۔ (جس طرح جسمانی امراض کے علاج معالجہ کے لئے طبیب ہوتے ہیں) مگر یہ بات اس زمانہ میں نادر الوقوع ہے۔

بچّہ کا حال علم وحکمت سے اتنی دور ہوتا ہے کہ وہ ان دقائق کونہیں سمجھ پاتا اور اپنے ماحول کا عادی ہو جاتا ہے، خواہ اچھا ماحول ہو یا بُرا۔ پھر اکثر یہی سمجھتا ہے کہ جو کچھ ہے بس یہی ہے، جیسا کہ میں دیکھا کرتا ہوں۔

وہ لوگ جو سن بلوغت تجاوز کر چکے ہیں اور ان کی شخصیتیں ناقص ہو گئی ہیں یا ناقص ترین ہیں، خواہ وہ ابنِ آدم ہوں یا حوّا کی بیٹی ہوں اگر وہ اپنے کردار کو سنوارنا چاہیں تو ان کے واسطے یہ حکمت ہے کہ وہ اپنے اپنے کردار کا محاسبہ کریں۔ بقول شاعر

جسم تو سنور چکے اب روح کا سنگار کیجئے

اپنا محاسبہ کرتے وقت یہ غور کریں کہ بچپن کس ماحول میں گزرا ہے اور موجودہ ماحول کس قسم کا ہے۔ ہم اپنے بچپن سے اپنا جائزہ لینا شروع کریں تو ہم دیکھیں گے کہ آدمی عادت کی رو سے چار درجوں میں منقسم ہے۔ ان میں پہلا درجہ یہ ہے کہ آدمی کا دل سادہ ہونے کے باعث نیک وبد کو نہ پہچانتا ہو اور کسی نیک وبد خصلت سے مانوس نہ ہو اور اپنی پہلی ہی فطرت پر ہو تو ایسا آدمی نقش پذیر ہوتا ہے اور جلد صلاحیّت قبول کر لیتا ہے۔ لیکن اس کو اس بات کی حاجت ہوتی ہے کہ کوئی شخص اس کو تعلیم دے اور بُرے اخلاق کی آفتیں اسے بیان کرے، اس کو راستہ بتائے۔ بچّے ابتدائے فطرت میں اس طرح پر ہوتے ہیں۔ ان کے والدین کچھ اس طرح پر ان کی پرورش کرتے ہیں کہ انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دیتے ہیں، وہ جس طرح چاہیں اپنی زندگی گزار لیں۔ حالانکہ یہ ابتدائی عمر ہی کردار کے لئے ایک بنیاد کا درجہ رکھتی ہے، جس طرح سے کسی عمارت کی بنیاد ہوتی ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ ابھی آدمی نے کسی بری شئے کا اعتقاد نہ کیا ہو، لیکن مدّت سے قوّتِ غضب اور قوّتِ شہوت کی متابعت کرنے کا عادی ہو گیا ہو لیکن یہ بھی

جانتا ہو کہ یہ نا کردن ہے۔ایسے آدمی کی اصلاح نہایت مشکل کام ہے۔ایسے آدمی کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ایک تو یہ کہ بُرائی کی عادت اس کو چھڑانی ہوتی ہے، دوسرے نیکی کا تخم اپنی طبیعت میں بونا پڑتا ہے اور جب اس میں جدوجہد کا مادّہ پیدا ہو جاتا ہے تو وہ جلد اصلاح پذیر ہو جائے گا اور عادتِ بد کو ترک کر دے گا۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی بُرائی کے ساتھ اُنس پکڑ گیا ہو، یعنی برائی کا خوگر ہو گیا ہو، لیکن اس بات سے بے خبر ہو کہ یہ کام بُرا ہے، بلکہ اس کی نظروں میں وہ برائی بھلائی ہو۔ایسا آدمی (خواہ صنفِ نازک ہو) بہت کم اصلاح پذیر ہوتا ہے۔

چوتھا درجہ یہ ہے کہ آدمی (بشمول عورت) برائی پر فخر کرے، باوجود اس کے وہ جانتا ہو کہ یہ بُرا کام ہے۔جیسے کہ بعض لوگ اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہم نے اس قدر آدمیوں کو مارا، یا ہم نے فلاں شخص کی بھرے مجمع میں بے عزتی کر دی، یا فلاں آدمی کو دل کھول کر گالیاں دیں، یا میں نے اس قدر شراب پی۔اس قسم کے آدمی کا دل سیاہ ہوتا ہے۔سوائے سعادتِ آسمانی اور تائیدِ ایزدی کے ایسا آدمی (یا عورت) بھی اصلاح پذیر نہیں ہوتا۔اگر کسی کو مرعوب یا مرغوب کرنے کے واسطے اس قسم کی باتیں کرتا ہے تو دیگر بات ہے، ورنہ اس قسم کی فحش باتیں کرنا درحقیقت حماقت ہے۔

بقول حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ۔

''اخلاقِ حسنہ کے تین سبب ہوتے ہیں۔ایک تو اصل فطرت میں اخلاق نیک ہوں اور وہ محض عطاو فضل حق تعالیٰ ہے کہ اس نے کسی کو اصل نیک فطرت میں پیدا کر دیا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے۔

(اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ اصل سے خطا نہیں اور کم نسل سے وفا نہیں۔مگر لوگ نسل کو ترجیح دیتے ہیں۔مقالہ نگار)

دوسرے یہ کہ کسی مشفق دوست کو اپنا نگہبان بنائے جو خوشامد کی وجہ سے اس کے عیوب کو پوشیدہ نہ رکھے اور نہ ہی از راہِ حسد اس کے عیب کو زیادہ کر کے بتائے یہ بات بھی اس زمانہ میں کم ہے لوگوں نے حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ لوگوں کی صحبت میں کیوں نہیں بیٹھتے۔ آپ نے بجواب فرمایا، میں ایسے لوگوں کی صحبت میں کیوں بیٹھوں جو میرے عیوب مجھ سے پوشیدہ رکھیں۔

تیسرے یہ کہ اپنے حق میں دشمن کی بات کو سنے، کیونکہ عموماً دشمن کی نگاہ عیوب پر پڑتی ہے۔ اگر چہ وہ دشمنی کی وجہ سے مبالغہ کرے، لیکن پھر بھی اس کا کلام سچائی سے خالی نہ ہوگا۔

چوتھے یہ کہ لوگوں کے عیوب کو دیکھ کر اپنے آپ کو ان عیوب سے محفوظ رکھے اور اپنے حق میں بھی ان ہی جیسے ہونے کا گمان کرے۔ لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کو یہ ادب کس نے سکھائے! آپ نے فرمایا، کسی نے بھی نہیں لیکن میں نے جو برائی دوسروں میں دیکھی اپنے آپ کو اس سے بچایا۔ اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ وہ شخص نہایت ہی بے وقوف ہوتا ہے جو خود کو نیک گمان کرتا ہے اور وہ شخص نہایت ہی دانا ہے جو اپنے آپ کو بدخیال کرتا ہے۔ (کتاب کیمیاء سعادت)

مندرجہ بالا سطور سے اب قاری کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ صحبت آدمی کے کردار پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ مگر ہم لوگ اپنے باطنی اندھے پن کے باعث کس قدر اس کی اہمیّت سے غافل رہتے ہیں۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ عام لوگ اگر علماء راسخ کی صحبت میں بیٹھیں، تو ان کی معرفت کا نُور ان کے دلوں پر پڑتا ہے۔ وہ شخص جو پیرِ کامل اور صالح عالم کی صحبت اور مدد سے محروم رہتا ہے وہ شقی ہے، یعنی بدنصیب ہے۔ پیر اور عالم جس قدر بزرگ ہوتا ہے، اسی قدر اس کے نور کی برکت سے آدمی کا

ایمان قوی اور مضبوط ہوتا ہے۔ یہی سبب تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم، حضور ﷺ کی زیارت اور صحبت کی برکت سے قوی الایمان تھے اور خوش بخت تھے۔ پھر صحابہ کی مجلس کی برکت سے تابعین نے فیض حاصل کیا اور بہتر ہوئے۔ یہی وجہ تھی جو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

''میرے زمانہ کے لوگ بہتر ہیں اور پھر ان کے بعد وہ جو ان سے ملے ہوئے ہیں۔''

ہماری یہ کم نصیبی نہیں تو پھر اور کیا ہے کہ ہمیں علماء بھی میّسر ہوئے تو علماء سوء حق تعالٰی نے حضرت داؤد پر وحی نازل فرمائی کہ۔

''اے داؤد! جس عالم کو دنیا کی محبت نے مدہوش کر دیا ہو اس کی صحبت سے حذر کر۔ اس سے کچھ دریافت نہ کر کیونکہ وہ تجھ کو میری محبت سے محروم کرے گا کیونکہ دنیادار عالم میرے بندوں کے لئے راہزن ہیں۔'' (کیمیاء سعادت)

یہ وحی قابلِ غور ہے۔ ہمارا مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ دہلی میں کچھ لوگ دین کے نام پر مسلمانوں کو اپنے اسلاف کی طور طریقوں سے منحرف کرتے پھر رہے ہیں۔ ان کی مجالس میں حاضر ہوں تو طمانیتِ قلب کے بجائے انقباضِ قلب حاصل ہوتا ہے مگر وہ فخریہ کہتے ہوئے پھرتے ہیں کہ ہم نبیوں سے بڑھ کر کام کر رہے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ نبی کہاں اور ہم کہاں نبی جتنے خوش ترین نصیب اور ہم لوگ اسی قدر بدترین نصیب۔

مندرجہ بالا نظریہ اس لیے عرض ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔

''گاؤں کے رہنے والے قبروں کے رہنے والے ہیں۔''

گاؤں کو اس لیے قبروں سے تشبیہ دی ہے کہ گاؤں میں عالم میّسر نہیں ہوتے

کیا ہماری حالت باوجود کثیر علماء کے ہونے کے گاؤں کی سی نہیں ہے۔ ایمان سے کہئے گا! اور یہ حالت اس لئے ہے کہ ہم دنیاداروں کی صحبت سے مستفیض ہوتے ہیں۔ وہ احمق و جاہل بیہودہ ناصحوں کی طرح تقریریں کرتے ہیں یا خرافات اور لایعنی نکتے بیان کرتے ہیں۔ جاہل اس لئے ہیں کہ بقول ایک بزرگ کے:

''جہل یہ ہے کہ اچھائی میں برائی نکال کر پیش کرنا اور برائی میں اچھائی نکال کر پیش کرنا۔''

(جیسا کہ امریکہ اور یورپ کا رویّہ اسلام کے تئیں ہوگیا ہے محض ہمارے باعث)

ان کا کلام لایعنی اور خرافات اس لئے ہے کہ اگر ان کے بتائے ہوئے راستہ پر چل نکلو تو حق تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے، دین کے احکامات کا نام سنتے ہی دل سکڑنے لگے۔ عمل پیرا ہونے کا ذکر ہی کیا اس لئے کہ اسلام میں ہر فرض کو، ہر سنت کو اور ہر نفل کو ادا کرنے کے لئے آداب و شرائط ہیں۔ اگر عمل کے مطابق آداب و شرائط اختیار نہیں کی جائیں گی، تو عمل ناقص ہی رہے گا۔ مگر یہ لوگ شاید سمجھتے ہیں کہ ہم سنّت پر ہیں۔ اس لئے کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔ شاید یہی گمان کرتے ہیں کہ ہم کسی بھی سنّت پر ہوں، حق تعالیٰ کی رحمت ہمارے ساتھ رہے گی، اس لئے ہم ہی نیک ہیں۔ جو معصوم بھی ان کی مجالس میں جاتا ہے اس کی یہ صفت ہو جاتی ہے کہ بجائے اپنے عیوب پر نظر رکھنے کے، دوسرے کے عیوب پر نظر کرتا ہے اور دین کے نام پر بحث کرنے کا عادی ہو جاتا ہے۔ پھر اس کو بتانے کے باوجود بھی اتنا احساس نہیں ہوتا کہ یہ بھی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

''جو شخص بات چیت میں خلاف اور خصومت سے بچے اور سخنِ باطل نہ کہے، اس کے لئے بہشت میں ایک گھر بناتے ہیں۔ اور اگر

احتیاطاً حق بات بھی نہیں کہتا ہے، اس کے لئے فردوس اعلا میں ایک گھر بناتے ہیں۔"

اور فرمایا

"لوگوں کا ایمان مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ خلاف باتوں سے ہاتھ نہ اٹھائیں۔ اگر چہ حق پر ہی کیوں نہ ہوں۔"

مگر ان میں سے بعض کی عادت ایسی ہوگئی ہے کہ جو بات بھی ان سے کہیں اسے فوراً رد کر دیتے ہیں اور اس قدر خیال نہیں کرتے کہ اس عادتِ بد کے باعث وہ اپنے باطن میں دو مہلک صفات کو قوی اور مستحکم کرتے ہیں۔ ایک تو تکبّر اور دوسری درندگی۔ مگر وہ اس سے بے خبر ہیں، اس لئے کہ مرضِ پندار میں مبتلا ہیں اور اپنی بیعت کے باعث ماحول کو ایسا بنا دیا ہے کہ ہمارے چھوٹے اپنے بڑوں سے زبان درازی کرنے میں بے باک ہیں۔ اس لیے کہ جیسا شیخ ہوتا ہے، ویسا ہی مرید ہوتا ہے۔ اور اتنا خیال کرنے کی ہمّت نہیں رکھتے کہ پارسائی اور احسان جتانا دین میں سے نہیں ہے۔

ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ عمل اور معاملہ میں قاصر رہتے ہیں اس لئے کہ کرم ورحم کی صفت سے محروم ہیں اور زبان کو گناہ سے نہیں بچاتے۔ شاید خیال کرتے ہیں کہ ہمیں بالکل عذاب نہ ہوگا اور معاملہ میں تو ماخوذ ہی نہیں ہوں گے۔ ان کی مثال اس بیمار کی سی ہے جو اپنی بیماری کا علم پڑھے یا سیکھے، بحث وتکرار کرے، اچھا نسخہ تجویز کرے، دوا اور بیماری سے اچھی طرح واقف ہو جائے، مگر دوا استعمال نہ کرے۔ اور اگر کرے تو اس کی تلخی کو برداشت نہ کر سکے۔ تو ایسے شخص کو دوا کے علم سے کیا فائدہ ہوگا اس لئے کہ مرض تو جوں کا توں ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''نجات وہی حاصل کرے گا جو پاک اور صاف ہو، نہ کہ وہ جو صرف
پاکی اور صفائی کا علم سیکھ لے۔''

اور فرمایا۔

''بہشت میں وہی جائے گا جو اپنی خواہشِ نفسانی کے خلاف عمل
کرے گا۔''

وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جو صرف یہی جانتا ہے کہ خواہش کے خلاف کرنا چاہیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ صورت کو نہیں دیکھتا۔ وہ تمہارے دلوں پر نظر کرتا ہے۔ مگر یہ لوگ اپنے باطن میں تکبّر، حسد، ریا، طلبِ جاہ کی پرورش میں مشغول ہیں اور خواہش کرتے ہیں کہ اسلامی معاشرہ ان کے بتائے ہوئے دین کے مطابق ہو۔ یہ تو اپنی آرزو کی تبلیغ اور خواہش پرستی ہے اور اصلاحِ خودی کے بجائے دین بازی ہے۔ بقول شاعر

یہ خلوص ہی کی نعمت ہے شریعتوں کی عصمت
یہ اگر ہو دین داری، یہ نہ ہو تو دین بازی

بعض ان کے کارکنان یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تھوڑی سی لذت حاصل م کر کے دیکھو یعنی ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ مگر اتنا نہیں جانتے کہ جس لذت کی طرف وہ دعوت دے رہے ہیں وہ تو تغیر پذیر ہے۔ تلخی کے قریب ہے اور اس کو انتہا ہے۔ اصل لذت تو وہ دائمی لذت ہے اور اس کو انتہا نہیں۔ یہ ان خوش نصیبوں کو نصیب ہوگی جن کا خاتمہ بالخیر ہوگا۔ اس لئے کام تو خاتمہ پر منحصر ہے اور ایسے شخص کو یہ لذت کہاں نصیب ہوگی جس کا ظاہر تو آراستہ ہو اور باطن پلید جیسے ایسا مجسمہ جس میں روح نہ ہو یا جیسے کوئی اندھیرا مکان کہ جس کی دیوار کے پیچھے چراغاں ہے۔

اور یہ بات بھی تو غور طلب ہے کہ حدیث روایت کرنے میں بھی تو لذت ملتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کوئی فتویٰ پوچھتا تو وہ دوسرے کے حوالے کر دیتے۔

حضرت بشیر حافی نے احادیث کی بہت سی کتابوں کو زمین میں دفن کر ڈالا اور فرمایا

''مجھے اپنے میں محدثی کی خواہش نظر آتی ہے اگر نہ دیکھتا تو روایت کرتا''۔

بعض لوگ ان میں سے ایسے ہیں کہ حدثنا کی خواہش رکھتے ہیں یعنی مجھے صدر بناؤ اور مسند پر بٹھاؤ۔ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے لوگوں کو نصیحت کرنے کی اجازت مانگی۔ جناب فارق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع فرمایا کہ

''مجھے ڈر ہے کہ تیرے پیٹ میں اتنی ہوا بھر جائے کہ تو اُڑ کر ثریا تک پہنچ جائے یعنی تیرا دماغ آسمان پر چلا جائے۔''

حضرت ہرم بن حیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بابت فرماتے ہیں کہ

''میں نے کہا ان سے کوئی بات رسول اللہ ﷺ کی بیان کیجئے تو انہوں نے بجواب فرمایا میں نے آپ کو نہیں دیکھا اور آپ ﷺ کی باتیں دوسروں سے سنی ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ باتوں کا سلسلہ اپنے آپ پر کھولوں اور میں نہیں چاہتا کہ محدث و مفتی اور واعظ بنوں۔ میں ایک ایسے شغل میں ہوں کہ ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی مجھے بالکل فرصت نہیں'' (کتاب کیمیاء سعادت)

یہ باتیں اس لیے بیان کی ہیں کہ ہم اچھا کام کریں یا بُرا اپنے کردار کا ہر وقت محاسبہ کریں۔ اس لیے اخلاقی نقطہ نگاہ سے ہمارا کردار کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ ہمارے متعلقین اور اہل و عیال کے لیے بھی اچھا یا بُرا ثابت ہوتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

''اوران کا باپ تھا نیک'' (پارہ ۱۶ رکوع ۱)

بچوں کا باپ مرد صالح تھا۔ اس کی نیکی کی وجہ سے حق تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ بچوں کے مال کی حفاظت کی جائے۔ اگر ہم اپنے کردار (اخلاق) کی طرف ناقدانہ نظر نہیں کریں گے تو اس بات کا قوی امکان ہے کہ ہم نور سے ظلمت میں جا گریں گے اور ہمارا مقصد بھی اس جہان میں بھیجنے کا یہ ہے کہ ہم ظلمت سے نور کی جانب کوچ کریں۔ اپنے مقدر کو بہتر بنائیں اور مرض پندار کی آفت سے اپنے باطن کی حفاظت کریں۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

''روز قیامت ان لوگوں کا بہت نقصان ہوگا جنہوں نے رنج و محنت اٹھائے ہوں اور سمجھے ہوں کہ ہم نے بہت اچھے کام کیے ہیں لیکن جب دیکھے تو سب کام خلاف ہوں۔'' (کتاب کیمیاء سعادت)

حاصل کلام یہ کہ اب یہ معاملہ قاری کے ہاتھ میں ہے کہ جس طرح کی زندگی وہ گزارنا چاہتا ہے اس کے مطابق مخلص عالم وعادل اور مخلص وعادل دوست کی صحبت اختیار کرے۔ اگر حق تعالیٰ جل شانہ نے چاہا تو ویسا ہی بن جائے گا جیسا کہ وہ چاہتا ہے اور یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ جو شخص بہائم کو اس لیے اپنے گھروں میں رکھتا ہے کہ آسمانی بلا یہ اپنے اوپر لے لیتے ہیں تو اسے یہ جاننا چاہیے کہ اس مقصد کے لیے بہت سی دعائیں ہیں۔ اس لیے دعا میں یہ تاثیر ہے کہ وہ آفات کو اپنے ساتھ ہی اوپر لے جاتی ہے اور آدمی بلا سے حق تعالیٰ کے حکم سے محفوظ ہو جاتا ہے اور یہ کیا کم بلا ہے کہ بہائم کی صحبت کی وجہ سے صاحب خانہ اور اہل خانہ اور ان کے متعلقین میں حیوانی اخلاق پیدا ہو جائیں بعدہ نسلیں بھی اسی طرز کی ہو جائیں۔ اس لیے کہ جو بات روحانی کردار میں ہوتی ہے وہ حیوانی کردار میں نہیں ہوتی ہے اور حیوان ناطق ہونے کے

باعث آدمی حیوانی کردار کے بہت قریب ہوتا ہے۔ اس لیے آدمی کی ساخت عقل اور شہوت سے ہے اور شہوت پرستی ہی بہائم کا خاصہ ہے اور انسان کا خاصہ ان دونوں کا اعتدال ہے۔ کسی بزرگ کا کہنا ہے کہ وہ خاندان خوشحال رہے ہیں جہاں زندگی سے متعلق ہر چیز درمیان درجہ پر ہو۔

(صحبت کی کرامت از ڈاکٹر محمد بشیر احمد، بشکریہ روزنامہ قومی آواز، دہلی، بھارت)

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر

ادارۂ مسعودیہ کی کتب ملنے کے پتے

۱۔ ادارۂ مسعودیہ،۲/۲،۶،۵۔ای ناظم آباد، کراچی۔فون 92-21-6614747

۲۔ ضیاءالاسلام پبلی کیشنز۔ضیاء منزل (شوگن مینشن) آف محمد بن قاسم روڈ، کراچی فون نمبر 2633819-2213973

۳۔ محمد عارف وعبدالراشد مسعودی۔اسٹاکسٹ ادارۂ مسعودیہ کراچی شاپ نمبر B-2 سرنج منزل امام بارگاہ اسٹریٹ نزد کچھی میمن مسجد بالمقابل گلف ہوٹل صدر کراچی، پاکستان۔فون نمبر: 021-5217281

موبائل: 0320-5032405

۴۔ مکتبہ غوثیہ، پرانی سبزی منڈی، یونیورسٹی روڈ، پولیس چوکی محلہ فرقان آباد، کراچی نمبر ۵، فون: 4910584-4926110

۵۔ ضیاء القرآن۔14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-2630411-2210212

۶۔ فرید بک اسٹال، ۳۸۔اردو بازار، لاہور، فون نمبر۔ 042-7224899

۷۔ مکتبہ الجامعہ نقشبندیہ بستان العلوم۔

کڈہالہ (مجاہدہ آباد)، آزاد کشمیر براستہ گجرات، اسلامی جمہوریہ پاکستان۔

۸۔ گلوبل اسلامک مشن 355 والنٹ اسٹریٹ سویٹ ۲ یونکرس، نیویارک 10701،

P.O.Box:1515 ٹیلیفون: 1705-709(914) فیکس: 1593-709(914)

۹۔ جناب منیر حسین مسعودی، 46 ہولی لین، سمیتھوک، ویسٹ مڈلینڈز B67 7JD،

انگلینڈ، .U.K۔

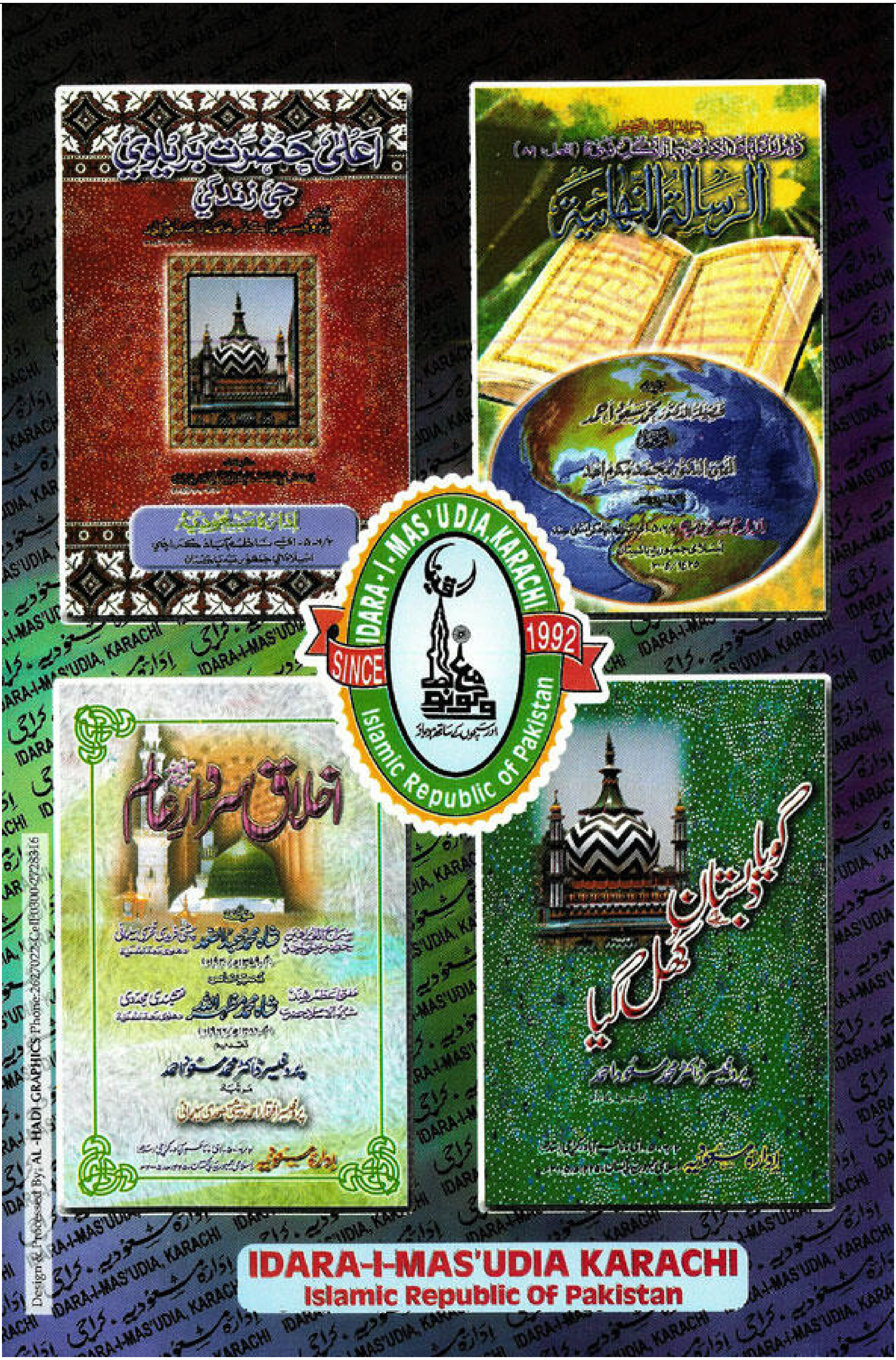
IDARA-I-MAS'UDIA, KARACHI
SINCE 1992
Islamic Republic of Pakistan
IDARA-I-MAS'UDIA KARACHI
Islamic Republic Of Pakistan